ڈاکٹر طاہرہ صدیقہ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو

کنئیر ڈ کالج فار ویمن یونیورسٹی، لاہور

حمیدہ شاہین کی شاعری میں وجودی استعارتی نظام

Existential metaphorical system in Hamida Shaheen's poetry

Abstract

Urdu poetry, particularly the Nazm, has always been a powerful medium of expression. Hamida Shaheen stands out as a contemporary poetess who has mastered both key genres of Urdu poetry—Nazm and Ghazal—earning her a distinguished place among her contemporaries. This paper delves into her literary significance by analyzing her three poetry collections: Dastak, Dasht-e-Wujood, and Zinda Hoon. Her work offers a nuanced exploration of social, political, and contemporary issues through a distinctly feminist lens, reflecting the insights of a deeply aware creator. Through this study, Hamida Shaheen emerges as a prominent voice of modern sensibility in Urdu poetry.

Key Words: Modernism, contemporary onsciousness, existentialism, feminism, poetic insight, ghazal poetry, metaphorical system.

جدید اُردو نظم عصرِ حاضر کا سب سے موثر ترین ذریعہ اظہار ہے جس میں تخلیق کار اپنے ذاتی تجربات، کیفیات، محسوسات اور عصری حسّیت کو باآسانی سمو سکتا ہے۔ ایک باشعور منجھے ہوئے نظم گو شاعر کے لیے غزل کی روایت اور ریاضت سے آگاہی بھی لازم ہے کہ اس کے ذریعے زبان و بیان کی لطافت اور نزاکت کا ادراک ممکن ہوتا ہے۔ حمیدہ شاہین دورِ حاضر کی ایک ایسی ہی تخلیق کار ہیں جن کی شاعری کا دائرہ محض نظم گوئی تک محدود نہیں بلکہ وہ دونوں اصنافِ سُخن یعنی نظم اور غزل میں طبع آزمائی کر چکی ہیں۔ وہ ایسی نظم گو شاعرہ ہیں جن کی شعری تربیت اُردو غزل کے دامن میں ہوئی اور انھوں نے اپنے تخلیقی سفر میں نظم کے ساتھ ساتھ غزل سے اپنا ربط برقرار

رکھا۔یہی وجہ ہے کہ حمیدہ شاہین کی شاعری زبان و بیان کی خوب صورتی، معنویت ، شعری بصیرت ، تخلیقی امکانات کے نظام، عصری حسّیت اور لطیف شعریت سے لبریز ہے۔

حمیدہ شاہین نے اپنی ایک الگ شعری پہچان مستحکم کی اور رفتہ رفتہ اپنے تخلیقی تجربے کے اُس مقام تک جا پہنچیں جہاں اہل علم وادب اور نقادانِ فن سے اپنے ادبی مقام و مرتبے کو تسلیم کروالیا۔انجم رومانی، ظفر اقبال، ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر شمیم حنفی، آفتاب اقبال شمیم، ستیہ پال آنند، کشور ناہید، امجد اسلام امجد، افتخار عارف، شہزاد احمد، ڈاکٹر سعادت سعید، یاسمین حمید، ڈاکٹر معین نظامی اور ڈاکٹر ناصر عباس نیر اور دیگر نامور تخلیق کاروں اور نقادانِ فن نے ان کے کلام کے حوالے سے اظہارِ خیال کیا اور ان کے محاسنِ شعری کا تجزیہ کر کے انھیں سراہا۔حمیدہ شاہین کا اوّلین شعری مجموعہ ''**دستک**''نظموں اور غزلوں پر مشتمل ہے جو ۱۹۹۵ء میں منظر عام پر آیا۔بعد ازاں اُن کا غزلیات کا مجموعہ ''**دشت وجود**'' کے عنوان سے ۲۰۰۶ء میں شائع ہوا۔اس کے بعد اُن کا نظموں پر مشتمل تازہ شعری مجموعہ ''زندہ ہوں'' ۲۰۱۰ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ حمیدہ شاہین کے اولین شعری مجموعہ ''**دستک**'' میں شامل نظموں کا اگر ''زندہ ہوں'' میں نظموں کے مقابل رکھ کر جائزہ لیا جائے تو فکری سطح پر موضوعات کا تسلسل ملتا ہے مگر وقت کے ساتھ ساتھ اُن کی شاعری میں فکری پختگی دکھائی دیتی ہے۔ایک خاتون ہونے کے ناتے اُن کی نسوانی حس انھیں حالات وواقعات کے پس منظر میں اُن عوامل تک بھی رسائی مہیا کرتی ہے جو کہ عموماً عام لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہتے ہیں۔حمیدہ شاہین کی اُن کے شعری مجموعے ''**زندہ ہوں**'' کی نظموں کا مطالعہ کیا جائے تو یہ احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے معروض کا مشاہدہ بہت گہرائی سے کیا ہے اور ان کی شاعری میں عصری شعور اور حسیت کا گہرا احساس ملتا ہے جو معنی کی نت نئی پرتیں پیدا کرنے کا موجب بنتا ہے۔

گزشتہ برسوں میں جدید اُردو نظم کے حوالے سے ایک انقلابی تبدیلی آئی ہے اور کلاسیکی غزل کے آرائشی اسلوب اور نظم بیانیہ کی سخت بندشوں سے اثر قبول کرنے کی روایت اب باقی نہیں رہی۔عہد حاضر میں جدید اُردو نظم آزاد فضا میں سانس لے رہی ہے اور دراصل یہ آزادی تخلیق کار کے فکر واسلوب کی آزادی ہے۔اگرچہ اب بھی بہت سے نظم گو شعرا اپنی نظموں میں کلیشے، پامال لفظیات، اسالیبی توڑ پھوڑ اور مزاحمتی یا احتجاجی شاعری کے نیم سیاسی نعروں کو شامل کر رہے ہیں لیکن زیادہ تعداد ایسے نظم گو شعرا کی بھی ہے جو اپنے شعری ڈکشن کو مغربی

شعری ڈکشن کے قریب تر لانے میں کامیاب ہیں اور اپنی انفرادیت کا بھرپور مظاہرہ بھی کرتے ہیں۔ حمیدہ شاہین کی نظم گوئی کو ڈاکٹر وزیر آغا نے ان الفاظ میں سراہا ہے:

> ''ان نئے نظم نگاروں میں حمیدہ شاہین کی آواز میں جو تیقن اور اسلوب میں جو تازگی ہے، وہ اس کے علاوہ محض گنتی کے چند نظم نگاروں ہی کو حاصل ہو سکی ہے۔ حمیدہ شاہین کے ہاں اسلوب کی تازگی اور پختگی، امیجز کی توانائی اور نیا پن اور موضوعات کو خاک و افلاک کے وسیع تر منظر نامے سے منسلک کرنے کی روش اس بات پر دال ہے کہ وہ اس راستے پر گامزن رہی تو آگے چل کر اردو کی ایک بڑی نظم نگار شاعرہ کی حیثیت سے پہچانی جائے گی''۔(۱)

جدید نظم گو شعرا اپنی تخلیق کے ذریعے اپنی ذہنی ساخت میں ایک نئی حسیت کے ترجمان ہونے کی لگن میں مصروف ہیں۔ ان میں چند خواتین نظم گو شاعرات بھی اپنے ہم عصر شعرا کے ہم پلہ دکھائی دیتی ہیں اور بہت سے موضوعات پر ان سے زیادہ بہتر انداز میں کھل کر اپنے جذبات و محسوسات کا اظہار کرتی ہیں۔ ان کی شاعری میں محض ان کی ذات کا کیتھارسس ہی نہیں بلکہ انھوں نے موضوعاتی، اسالیبی اور فکری و جمالیاتی حوالے سے جدید اردو نظم میں گراں قدر اضافے بھی کیے ہیں۔ جدید اُردو شاعری کی نسائی روایت میں ادا جعفری، فہمیدہ ریاض، پروین شاکر، کشور ناہید، شائستہ یوسف، شبنم شکیل اور یاسمین حمید کے بعد حمیدہ شاہین کا نام ایک اہم اضافہ ہے۔

حمیدہ شاہین کی نظموں میں حیرت زدہ سریت کے عناصر کی موجودگی ان کی شاعری کو حقیقت پسندی کی عمومی سطح سے بلند کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اُن کی نظموں میں حیات انسانی کی مانوس اور خارجی سطح پر رونما ہونے والے تجربات کا عکس بھی نمایاں ہے۔ حمیدہ شاہین بیک وقت اپنی ذات کے دو دائروں میں گردش کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ ان میں اول دائرہ ایک ماورائی اور مابعد الطبیعاتی بنیاد پر مشتمل ہے جبکہ دوسرا دائرہ روزمرہ کی زندگی کی تلخ سچائیوں پر محیط ہے۔ ڈاکٹر شمیم حنفی حمیدہ شاہین کی نظموں کا تجزیہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ان نظموں کی سب سے بڑی خوبی یہی ہے کہ ان میں جذبے، خیال، بیان اور اسلوب میں کہیں بھی اکہرے پن کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ ایک گہری وجودی سطح رکھنے والی شاعری ہے اور اس میں جا بہ جا، تخلیقی امکانات کا یک جال سا بچھا ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ حمیدہ شاہین کے سامنے سب سے بڑا مرحلہ ان امکانات کی دریافت کا ہے''۔[۲]

بلاشُبہ حمیدہ شاہین نے اپنے سامنے درپیش بڑے مرحلے کو عبور کرنے کے لیے روایتی طرزِ احساس اور اظہار کے پیش پااُفتادہ وسائل سے خود کو بچایا ہے۔ شمیم حنفی نے حمیدہ شاہین کے شاعرانہ وجود میں جن صلاحیتوں کی سرگوشی سنی تھی وہ اب گونج میں تبدیل ہو چکی ہے جو کہ حمیدہ شاہین کے مسلسل ریاض، صبر آزما جستجو اور خود سے نامطمئن ہونے کا ثمر ہے اور ان کی جستجو کا سفر جاری و ساری رکھے ہوئے ہے۔

حمیدہ شاہین کی نظمیں اپنی تفہیم میں بیک وقت آسان بھی ہیں اور دشوار بھی۔ یہ نظمیں روزمرہ کی منطق میں اپنے مدعا کی براہ راست ترسیل کے سبب آسان ہیں اور چونکہ یہ ایک وسیع تر تناظر میں زندگی کے حوالے سے فکری طور پر جُڑی ہوئی بھی ہیں لہٰذا دشوار بھی ہیں۔ حمیدہ شاہین اپنی نظموں میں بہرے، گونگے اور نابینا آج کے بنجر عہد سے ایک زرخیز مستقبل کے نمو کی آرزو کرتی ہیں۔ آفتاب اقبال شمیم حمیدہ شاہین کی نظموں کے حوالے سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بیانیہ اور سٹیٹ منٹس یا سستی جذباتیت سے گریز کرتی ہوئی یہ نظمیں، شاعرہ کے ذاتی غم کی گھمبیرتا سے گزر کر شعری تجربے کا روپ دھارتی ہیں۔ اس اعتبار سے ہم انھیں جدید طرزِ حسیت کی نمائندہ نظمیں بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ شاعرہ کی فکری بالیدگی اور ہنر پر گرفت کا کمال ہے کہ بیش تر نظمیں اپنے اختصار کو برقرار رکھتے ہوئے، استعاراتی تمثیلوں اور مجرد و مفرد کی تال میل سے بنتے امیجز سے مزین نظر آتی ہیں۔۔۔۔ اپنی ہئیت کے اعتبار سے بھی بیش تر نظمیں کسی شعوری کاوش کے بغیر اپنے فطری بہاؤ میں مکمل ہوتی نظر آتی ہیں''۔[۳]

حمیدہ شاہین کے اولین شعری مجموعہ ''**دستک**'' کی نظموں اور غزلوں کا مطالعہ کرنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ زندگی کو اپنے عہد کے تبدیل شدہ زاویے سے دیکھتی ہیں اور اپنے مخصوص انداز سے اس کا اظہار کرتی ہیں۔ وہ اس

لحاظ سے ایک منفرد ذہنیت کی شاعرہ ہیں کہ وہ روایت سے ارتباط رکھتے ہوئے طرزِ جدّت کو اپناتی ہیں اور یہ جدّت جدید عہد کے طرزِ احساس کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔انجم رومانی شعری مجموعہ "**دستک**" کے فلیپ میں لکھتے ہیں:

> "ہمارے دور کی ایک تخصیص یہ بھی ہے کہ اس دور میں عورت کی نفسیات شاعری کا موضوع بنی۔عورت کے مسائل، محسوسات اور نسیات کا بھرپور اظہار اس دور کی کچھ شاعرات میں نظر آتا ہے۔حمیدہ شاہین ان میں سے ہونے کے باوجود اس سے قدرے مختلف شاعرہ ہے جو جدید ہوتے ہوئے بھی اپنی دینی روایت سے شرمندہ نہیں ہے۔اس کی شاعری یہ احساس پیدا کرتی ہے کہ عورت، عورت پن سے ہی نہیں بلکہ ایک مختلف ذہنی ساخت کے انسان کے طور پر بھی ایک پہچان رکھتی ہے جسے نظر انداز کیا جاتا رہا ہے"۔(۴)

سماجی زندگی میں عورت کا مقام حمیدہ شاہین کی شاعری کا ایک اہم موضوع ہے۔اس حوالے سے ان کا نقطہ نظر ان کے عقیدے اور ایمان کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے مگر کہیں کہیں ان کے ہاں عورت کے اس مذہبی روایتی تصور سے انحراف کا پہلو بھی جھلکتا ہے۔وہ اپنے سماج میں مروجہ روایتی نقطہ نظر سے اختلاف کرتی بھی دکھائی دیتی ہیں۔حمیدہ شاہین کو اس امر کا ادراک ہے کہ کبھی معاشرہ سماجی اقدار کے حوالے سے اور کبھی مذہبی بنیاد پر عورت کو ایک انسان ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔عورت کو کبھی معاشرتی کبھی مذہبی اقدار کے مخصوص دائروں میں قید کر دیا جاتا ہے اور اس کے اصل مقام و مرتبے کی اہمیت سے ناواقفیت عام ہونے کی بنا پر جب بھی موقع ملے، اس کا استحصال کیا جاتا ہے۔اس ضمن میں حمیدہ شاہین کی غزل سے ایک شعر ملاحظہ کیجیے:

کون بدن سے آگے دیکھے عورت کو
سب کی آنکھیں گروی ہیں اس نگری میں(۵)

حمیدہ شاہین عورت کو محض ایک جسم کی حد تک محدود نہیں سمجھتیں بلکہ اسے اس حوالے سے سمجھنے کی خواہش کا اظہار کرتی ہیں جسے عموماً اس کی فکری اور روحانی مقام سے بالاتر سمجھا جاتا ہے۔یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حمیدہ شاہین عورت حقوق پلیٹ فارم پر کھڑی خواتین کی مانند سماجی اقدار کے حوالے سے منفی اور تصادم پر مبنی رد عمل کا اظہار نہیں کرتیں اور نہ ہی جوابی کاروائی کے طور پر آدمی کے استحصال کی حامی ہیں۔حمیدہ شاہین اپنے عورت

ہونے پر مسرور اور اپنے دائرہ کار میں اطمینان محسوس کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ مگر وہ مصر ہیں کہ ان کے دائرہ کار کو ان کی کمزوری تصور نہ کیا جائے اور اس حوالے سے مرد اور عورت کی تخصیص کسی ایک صنف کے استحصال کا موجب نہ ہو۔ ڈاکٹر نجیبہ عارف کا اس ضمن میں کہنا ہے:

> ''حمیدہ نے اپنی سماجی زندگی میں پہلے سے موجود مختلف اور متضاد فکری دھاروں سے ہٹ کر اپنی راہ نکالی ہے۔ اس کی آواز کسی گروہی دھڑے بندی کی ترجمان نہیں، اس کی اپنی بصیرت اور سیرت کی آئینہ دار ہے''۔(۶)

ایک عرصہ ہوا اس کا مجھ سے یہ رویہ ہے
جیسے میں کوئی اس کا مفتوحہ علاقہ ہوں

اسی غزل کے ایک شعر میں کہتی ہیں:

انداز کوئی بھی ہو، پامال تو ہونا ہے
میں اس کے لیے سکھ کی ترسیل کا رستہ ہوں(۷)

حمیدہ شاہین کے یہاں پروین شاکر کی مانند لطیف نسوانی جذبات و محسوسات اور اپنے محبوب کے لیے محبت کی وارفتگی کی حدّت بہت شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ پروین شاکر کی طرح حمیدہ شاہین کا محبوب بھی کوئی اجنبی نامحرم نہیں بلکہ ان کے شریک سفر سے ان کی محبت کا اظہار ہے جو مذہبی و سماجی اقدار سے متصادم نہیں۔ اس ضمن میں بہت سی نظموں کا حوالہ دیا جاسکتا ہے مگر ان کے اولین شعری مجموعہ ''دستک'' میں شامل نظم ''میں نے ہر سانس کے ہمراہ ترا نام لیا'' میں خالص مشرقی اقدار میں گندھی وفا کی مورت، امورِ خانہ داری میں مصروف عورت اپنے مجازی خدا سے محبت کو عین عبادت تصور کرتی دکھائی دیتی ہے۔ مختصر نظمیں ''الہام''، ''ایک دعا''، ''جدائی'' اور ''اتنی سی بات'' بھی اس ضمن میں بطور نمونہ دیکھی جاسکتی ہیں۔

حمیدہ شاہین کے اولین شعری مجموعہ **''دستک''** کا مطالعہ کرتے ہوئے بیش تر نظمیں اور غزلیں اور ان کے موضوعات نسوانیت کے سبب پروین شاکر سے مماثل محسوس ہوتے ہیں۔ جیسے ان کی نظمیں ''مدّ و جزر''، ''اُسے یہ کہنا'' اور ''پلٹ کر دیکھنا مت''۔

پلٹ کر دیکھنا مت
لہو کس کا بہا ہے
کہاں، کیسا، کسے گھاؤ لگا ہے
پلٹنے کی اگر کوشش کرو گے
تو جو تم نے کیا ہے
وہ تم سے بھی نہ دیکھا جائے گا(۸)

اس کے علاوہ حمیدہ شاہین کی ''دستک'' مجموعہ سے بہت سی غزلوں کے اشعار بھی اس ضمن میں دیکھے جا سکتے ہیں۔اُن کی ایک غزل کے کچھ اشعار ملاحظہ کیجیے:

مرے نصیب کا لہجہ تو پھر اُکھڑنے لگا
میں کیا کروں کہ مرا شہرِ خواب اُجڑنے لگا
مجھے مٹانے میں کچھ ایسا لطف آیا اُسے
نئے سرے سے مرے خدوخال گھڑنے لگا
ہم ایک ساتھ اڑیں تو فلک کو چھو آئیں
نجانے کیوں وہ مرے بال و پر جکڑنے لگا(۹)

حمیدہ شاہین کے ہاں نسائی تحریک کی علمبردار خواتین کی طرح آدمی کی تاریخی ناانصافی کے خلاف سراپا احتجاج ہونے کا قصد بھی ملتا کیونکہ وہ عورت کو ایک مکمل انسانی ذات تصور کرتی ہیں اور اس کے اصل مقام و مرتبے کی حقیقت سے بخوبی آگاہی رکھتی ہیں۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ نہایت مستحکم اور متوازن انداز میں اعتماد کے ساتھ اس آگاہی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی حیثیت منوانا چاہتی ہیں:

میری حیثیت کو مان بھی منوا بھی
کہاں، کہاں، کیا ہے میری اہمیت لکھ

میرے ہر خلیے پر تیرا حق تسلیم
اپنی ذات کو بھی میری ملکیت لکھ

اسی غزل کے آخری اشعار میں کہتی ہیں:

روپ ،جوانی اور بدن کی باتیں چھوڑ
اپنے اور میرے رشتے کی عظمت لکھ
فطرت اور توازن کی تکذیب نہ کر
بیٹے کو نعمت،بیٹی کو رحمت لکھ (۱۰)

حمیدہ شاہین کے دوسرے شعری مجموعہ ''دشتِ وجود'' کے دیباچے میں ڈاکٹر ناصر عباس نیر تحریر کرتے ہیں:

''حمیدہ شاہین کے یہاں نسائی ذات کی جو آگہی ظاہر ہوئی ہے اس میں احتجاج و بغاوت کا غلغلہ نہ ہونے کے برابر ہے مگر ایک تمکنت اور اعتماد بہ ہر حال موجود ہے۔ایسا نہیں کہ یہ آگہی نا مکمل ہے اصل یہ ہے کہ اس آگہی میں وہ مشرقیت موجود ہے جسے مغربی تانیثیت اور مغرب زدہ تانیثیت انفعال سے تعبیر کرے گی مگر جو بعض باتوں کو اقدار کا درجہ اور ان اقدار کو مسلمات کا درجہ دیتی ہے اور یہ اقدار/مسلمات معاشرتی توازن کے لیے ناگزیر ہیں''۔(۱۱)

حمیدہ شاہین کی ایک غزل کے اشعار میں بے حد اعتماد اور تیقن کے ساتھ ان کی تانیثی آگہی کا اظہار دکھائی دیتا ہے:

خرد کے ڈھیر سے کوئی تو نادانی نکل آئے
انہی دشواریوں کے بیچ آسانی نکل آئے
وہ جس نے اپنی ساری عمر سجدے میں گزاری ہو
کہاں جائے اگر اس کا خدا فانی نکل آئے
مجھے اپنے بچاؤ کی لڑائی خود ہی لڑنی ہے
گواہوں میں نجانے کون سلطانی نکل آئے(۱۲)

حمیدہ شاہین کے یہاں اس نسوانی شعور وآگہی کے نتیجے میں اپنے پدر شاہی معاشرے میں مرد سے مسابقانہ یا منتقمانہ رویہ نہیں ملتا اس کے برعکس وہ مرد سے مساویانہ سلوک کا مطالبہ کرتی ہیں۔ وہ اس بات پر اصرار کرتی ہیں کہ مرد اور عورت ایک رشتے کی عظمت سے منسلک ہیں اور مرد عورت کو محض اپنی ملکیت یا روپ اور بدن یعنی جنس نہ سمجھے بلکہ اس کے بھرپور وجود کو تسلیم کرے کہ وہ فکری، روحانی اور ثقافتی شعور کی حامل انسان ہے جس کی اپنی ایک الگ شناخت اور وجود ہے۔ اس کی اپنی آگہی اور خواہشات بھی ہیں۔ اس معاشرے میں مرد نے عورت کے حوالے سے تمام تصورات کا اکتساب یک طرفہ طور پر کیا ہے لہٰذا عدل کا تقاضا ہے کہ عورت کے بارے میں تصورات کی تشکیل کرتے ہوئے عورت کے وجود سے بھی رجوع کیا جائے۔ گویا حمیدہ شاہین معاشرے میں خواتین کی ذہنی و قلبی آسودگی کی خواہاں ہیں اور اس حوالے سے نئی صحت مند، مثبت اخلاقی اقدار کو فروغ دینے کی داعی ہیں۔''

دشتِ وجود''میں شامل ایک غزل سے چند اشعار اس ضمن میں ملاحظہ کیجیے:

زندگی کو ذرا سا تو ہم بھی چکھیں، آؤ کچھ تو جئیں
ذائقے آب و آتش کے ہم پر کھلیں، آؤ کچھ تو جئیں
آسمانوں کی دعوت پہ لبیک کہہ کر تو دیکھیں ذرا
اپنے پنجروں کو ساتھ ہی لے اُڑیں، آؤ کچھ تو جئیں
روٹھتی رُت سے ہم اپنے حصّے کی ہریاں چھین لیں
موت برحق مگر، بے ثمر کیوں مریں، آؤ کچھ تو جئیں

اسی غزل کا آخری شعر دیکھیے:

بھینچ کر چشم و لب ،دن گزرتے ہیں کب، آؤ شاہینؔ اب
ڈھیروں باتیں کریں، کھلکھلا کر ہنسیں، آؤ کچھ تو جئیں (۱۳)

حمیدہ شاہین کے کلام میں خود کلامی ان کی خود آگہی کے سبب دکھائی دیتی ہے۔ بحیثیت ایک خاتون تخلیق کار وہ جب اس سماج میں خواتین کے ساتھ روا رکھے جانے والے ظلم، عدم مساوات اور صنفی امتیاز کو محسوس کرتی ہیں تو اس کا نفسیاتی طور پر اظہار تنہائی اور خود کلامی کی شکل میں ہوتا ہے۔ ایک تخلیق کار کی حیثیت سے حمیدہ شاہین نے اس تنہائی

اور خود کلامی کے ذریعے اپنی ذات کے اندرون تک رسائی حاصل کرلی ہے جسے انھوں نے ''روزن'' کہا ہے۔ حمیدہ شاہین کے یہاں خود کلامی کے انداز میں ذات کی شکستگی کے بجائے تعمیرِ ذات کا عزم ملتا ہے۔ شہزاد احمد اس حوالے سے حمیدہ شاہین کی شاعری کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

> ''حمیدہ شاہین اپنے نسائی وجود کو ایک مابعد الطبیعاتی حوالے سے اجاگر کرنے کی کوشش میں ہیں۔ یہ حوالہ بدیہی طور پر مشرقی ہی کہا جاسکتا ہے مگر یہ مسئلہ معاشرت کی سطح سے اوپر اٹھا دیا گیا ہے۔ اب یہ ایک ایسے فرد کی داستان ہے جو اپنے ظاہر اور باطن کو سمجھنے کی معصوم کوشش کر رہا ہے۔ یہ کوشش ایک عمودی تبدیلی ہے جو ''دستک'' کے بعد ''دشتِ وجود'' کی صورت میں رونما ہوئی ہے۔ یہ دستک کام یاب رہی کیونکہ اس سے دروازہ ممکن ہے نہ کھلا ہو، دیوار کا کچھ حصہ ضرور ٹوٹ گیا ہے''۔ (۱۴)

حمیدہ شاہین نے اپنی مذہبی اور ثقافتی روایت سے منسلک رہنے کے باوصف اپنے لیے عورت کا سب سے ممتاز اور افضل امتیاز یعنی مامتا کا انتخاب اپنے شعری بنیادی حوالے کے طور پر کیا ہے، جسے عموماً نسائی حقوق کی علم بردار خواتین نظر انداز کر جاتی ہیں۔ ماں بننا عورت کی تکمیل ہے اور تخلیقِ انسانی کا یہ عمل صرف اور صرف عورت سے مخصوص ہے۔ تخلیق انسانی کے عمل میں عورت کے مقابلے میں مرد کا کردار ثانوی اور وقتی ہے جبکہ خاتون تخلیق کے زبردست تجربے سے گزرتی ہے جس کی ہلکی سی آنچ بھی مرد محسوس کرنے سے قاصر ہے۔ حمیدہ شاہین نے اولین شعری مجموعے ''دستک'' کا انتساب اپنی امی جان کے نام کیا ہے اور اپنے تیسرے شعری مجموعہ ''زندہ ہوں'' کو اپنے بیٹے سراج الحسن کے نام منسوب کیا ہے۔

حمیدہ شاہین کی شاعری میں ماں کے حوالے سے کثرت سے اشعار ملتے ہیں کیونکہ وہ اپنے عورت اور ماں یعنی تخلیق کار ہونے پر فخر اور انبساط محسوس کرتی ہیں۔ اس حوالے سے ان کی شاعری میں بہت سی نازک کیفیات کا اظہار بھی ملتا ہے:

مجھے سب علم ہے، ساری خبر ہے
کہاں منزل کہاں تک رہگزر ہے

پھنسی ہوں آپ اپنی گردشوں میں
مرے اندر کوئی ایسا بھنور ہے

اسی غزل کے مزید اشعار دیکھیے:

مری جھولی میں ہیں ماں کی دُعائیں
یہی میرا اثاثہ ہے، سپر ہے
چہکتے ہیں دعاؤں کے پرندے
مرے آنگن میں اک بوڑھا شجر ہے (۱۵)

اسی طرح ایک اور غزل کے اشعار دیکھیے:

بوڑھے پیڑ کے کٹ جانے سے ڈرتی ہیں
چڑیاں اب سہمی سہمی سی رہتی ہیں
سب دیسوں پردیسوں والے خیر سے ہوں
مائیں صبح و شام دعائیں کرتی ہیں (۱۶)

حمیدہ شاہین کی شاعری کا مطالعہ کرنے پر ان کی وُسعتِ نظری، فکر اور موضوعاتی تنوع کا احساس ہوتا ہے۔ انھوں اپنے گھر، سماج اور پوری کائنات کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔ وہ اپنے وطن اور اس سے منسلک اقدار کے ساتھ ماں جیسی محبت رکھتی ہیں۔ حمیدہ شاہین خوب صورت اسلوب کی مالک ہیں اور شاعری کے پیچیدہ اسرار و رموز سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ مختلف علوم پر گہری نگاہ رکھتی ہیں۔ انھوں نے محض نسائی موضوعات کو ہی اپنی شاعری میں نہیں برتا بلکہ مکمل تخلیقی تجربے کو گرفت میں لینے کی کوشش کی ہے۔ یعنی وہ نسائیت اور نسوانی محسوسات سے ماورا حیات و کائنات کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بناتی ہیں۔ نسائی حوالے سے بھی اگر دیکھا جائے تو حمیدہ شاہین نے ان موضوعات کو بھی رائج وقتی فیشن کے طور پر نہیں بلکہ مشرقی سماج کے پس منظر میں نسائی وجود کے حوالے سے درپیش سوالات اٹھائے ہیں۔

حمیدہ شاہین کے یہاں عورت کے حوالے سے ماورائے بدن کیفیات و واردات کے نقش بہت گہرے ہیں۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی حقیقی جستجو کا دائرہ کوئی اور ہے۔ان کے ہاں مابعد الطبیعاتی حوالے رسمی طور پر نہیں آئے بلکہ زیادہ گہری اور جڑوں تک سرسبز و شاداب کرتی کیفیت کے مظہر ہیں۔یوں وہ اپنے لیے ایک الگ اور منفرد شناخت کی طلب گار نظر آتی ہیں۔حمیدہ شاہین نے روایتی تصوفانہ مضامین نہیں بیان کیے مگر ایک گہرا باطنی تجربہ ان کے کلام میں اثر پیدا کرتا ہے۔ان کی شاعری میں روحانیت کی آنچ کے ایسے مظاہر ملتے ہیں جو ہمارے لیے ایک نئے فہم اور ایک نئی اشاریت کا باعث بن سکتے ہیں۔فلسفیانہ نکات کے علاوہ ان میں قلندرانہ جذب اور ایک تجاہل عارفانہ کی جھلک بھی ملتی ہے۔

حمیدہ شاہین کی شاعری کی ایک سطح وہ ہے جہاں وہ حیات و کائنات کے مسائل پر ایک باشعور انسان کی طرح غور و فکر کرتی ہوئی نظر آتی ہیں اور اپنے نسائی وجود سے بلند ہو کر کائناتی مسائل پر غور و فکر کرتی ہیں۔حمیدہ شاہین معاشرتی مسائل کو براہ راست بیان کر دینے کے بجائے ایک اعلیٰ تخلیقی تجربے میں ڈھال کر پیش کرتی ہیں،ان کا مذہبی شعور ان کی ذات کو معاشرے کے ساتھ ہم آہنگ کرتا ہے، جس کا اظہار مختلف استعارات کے ذریعے ان کی شاعری میں ہوا ہے:

ایک دن تو پڑھ رہی ہو گی صلوۃ آبرو
زندگی کرتی رہے گی خون سے کب تک وضو

اسی غزل کے مزید دو اشعار دیکھیے:

ہم نے کھولا بھید روح ذرّہ بے تاب کا
پھر اسی منہ زور ایٹم نے رلایا ہے لہو
اس قدر ہم نے بگاڑا ہے نظامِ آب و گل
دیکھیے کملا گئی ہے کیسے ارضِ خوب رو (۱۷)

حمیدہ شاہین کا تیسرا شعری مجموعہ ''زندہ ہوں''ان کے شعری سفر کا انتہائی اہم حوالہ ہے۔سب سے پہلے تو اس شعری مجموعہ کا عنوان بہت معنی خیز ہے۔اپنے بحیثیت عورت وجود کی موجودگی کا اعلان کرتا ہوا یہ عنوان اپنے اندر

ایک وجودی کرب کا حامل ہے۔ دوسری بات اس سے قبل حمیدہ شاہین نے اپنے دونوں شعری مجموعوں میں غزلیں اور نظمیں شامل کیں مگر یہ شعری مجموعہ خالص نظموں پر مشتمل ہے۔ حمیدہ شاہین کا تخلیقی سر محض غزل اور نظم تک محدود نہیں بلکہ بحیثیت شاعرہ انھوں نے اپنے تنقیدی مضامین کو بھی ادبی چاشنی میں ڈبو کر اردو ادب کے قارئین کے لیے دلچسپ بنا کر پیش کیا ہے جو بعنوان ''مطالعہ'' کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں۔ انھوں نے اپنے تیسرے شعری مجموعہ ''زندہ ہوں'' کو خالص نظموں کے لیے کیوں مختص کیا۔ اس سوال کا جواب ان کے تنقیدی مضمون'' نظم پڑھتے ہوئے'' میں خود انھی کے الفاظ میں مل جاتا ہے:

> ''نظم کا معاملہ ہمیں اس لیے مختلف محسوس ہوتا ہے کہ یہ اب آزاد پرندے کی اڑان بن چکی ہے اور اسے نئے آفاق کی تلاش کا چسکا پڑ چکا ہے۔ بے راہ روی کے الزامات اسے مراجعت پر مجبور نہیں کر سکے اور شاید کہیں لاشعوری طور پر ہم مستقبل میں بھی اس سے یہی امید لگائے بیٹھے ہیں اور یہ محسوس کرتے ہیں کہ یہی وہ اسپ تازی ہے جس پر سوار ہو کر ہم مزید کھائیاں عبور کر سکتے ہیں۔ میڈیا کی تیزی، غلبہ اور اثر انگیزی سے انکار نہیں لیکن وہ ایک مختلف اور بے محابہ اظہار ہے۔ نظم کی آزاد اڑان جمالیاتی تسکین بھی ساتھ لے کے آتی ہے''۔(۱۸)

حمیدہ شاہین جتنی عمدہ غزل گو شاعرہ ہیں اتنی ہی اچھی نظم گو شاعرہ بھی ہیں۔ بیک وقت نظم اور غزل دونوں اصنافِ شعر کو خوبی سے برتتی ہیں اور پھر ایک صنف سے دوسری کی جانب مراجعت کرنا آسان نہیں لیکن انھوں نے کامیابی سے یہ منازل طے کی ہیں۔

حمیدہ شاہین نے اپنی نظم ''المدثر'' میں حضورؐ کا نام مبارک لیے بغیر غارِ حرا میں ان پر وحی کے نزول کے لمحے کی منظر نگاری نہایت عمدگی سے کی ہے۔ پھر ریت اور دھوپ کی فراوانی اور پانی کی غیر موجودگی نیز کسی بھی قسم کے نخل ثمر اور گلستان کا فقدان یہ سارا منظر نامہ بلاشبہ صحرائے عرب کا ہی ہے۔ اس منظر نامے کی تکمیل کے بعد پیامبر کو دیے گئے پیام کی بات کی گئی ہے جو اسے دوسروں کو سکھانا ہے۔ اس کے لیے حمیدہ شاہین کی نظم کا آخری حصہ ملاحظہ کیجیے:

پھر اُسے سایہ کرنا سکھایا گیا
ریت میں پھول کیسے کِھلیں گے، اُسے یہ بتایا گیا
اور اُس کے ذریعے
زمانے کی تشنہ لبی کو مٹایا گیا(۱۹)

اس نظم کی سب سے بڑی خوب صورتی اس کے عنوان سے ہے بظاہر اس کا مطلب ایسے شخص سے ہے جس نے کمبل اوڑھ رکھا ہو مگر اس سے مراد حضورؐ کی ذات اقدس ہے جو کہ قرآن پاک کی ایک سورۃ سے بھی ثابت ہے۔اس نظم میں علامتی استعمال کی سطح پر جہالت کے دور کی مماثلت تیز دھوپ، ریت، تشنہ لبی سے اور اسلام کے ظہور کے بعد سایہ، ریت میں پھولوں کی افزائش اور اس کے ذریعے سے زمانے کی تشنہ لبی کا مٹ جانا نظم کے آخری مصرعوں میں صاف جھلکتی ہے اور اسے تلاش کرنے کے لیے کوشش نہیں کرنی پڑتی۔

حمیدہ شاہین کی غزل جاندار ہے کیونکہ اس میں زندگی کے تمام رنگوں کی آمیزش مکمل احساس کے ساتھ ملتی ہے۔اسی طرح ان کی نظم گوئی بھی اپنے پورے عروج پر نظر آتی ہے۔یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ ان کی غزل زیادہ اچھی ہے یا نظم مگر وہ ان دونوں اصنافِ شاعری میں اپنی فنی صلاحیتوں کے بل پر ایک منفرد مقام و مرتبے کے حصول میں کامیاب ہو چکی ہیں۔

حمیدہ شاہین کی نظموں کا مطالعہ کرنے پر یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ اُسی جدید نظم کی شاعرہ ہیں جس کی بنیاد میراجی اور ن۔م۔راشدؔ نے رکھی تھی۔جیسے ان کی نظم قاری کو چونکا دیتی تھی اسی طرح حمیدہ شاہین کی نظموں میں بھی یہ خوبی موجود ہے۔حمیدہ شاہین کے اس شعری مجموعے میں بھی نسائی احتجاج کے نمونے ملتے ہیں مگر انھیں دیگر خواتین شاعرات کے ساتھ منسلک نہیں کیا جا سکتا۔ان کی نظم ''اِک بے دھیانی'' ایک مختصر ترین نظم ہے جس میں مرد کے کردار کا سرے سے کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔اس نظم کا واحد متکلم عورت ہے اور اس کے مدِ مقابل کوئی بھی مرد باپ، شوہر،، بھائی یا بیٹا ہو سکتا ہے۔اس نظم میں عورت خود کو ایک ٹھنڈے توے کی روٹی کہتی ہے جسے بے دھیانی میں ڈالا گیا اور بے دردی سے پلٹا گیا:

میں ٹھیک سے سینکی جا نہ سکی

میں کسی چنگیر میں آنہ سکی
میرا پسنا، گندھنا اور جلنا
بے کار گیا، میں ہار گئی
اِک بے دھیانی مجھے مار گئی (۲۰)

اس نظم میں احتجاج، سرکشی اور بغاوت کا عنصر نہیں اور اپنی حالت سے بے خبری اور لاعلمی کی بنا پر تسلیم و رضا اور قبولیت کا احساس بھی نہیں ملتا۔ اس نظم کا حُسن اس کی بُنت میں ہے جو پڑھنے والے کو اپنے ساتھ لیے ہوئے قدم بہ قدم آگے بڑھتی ہے۔ تو اٹھنڈا ہے اور روٹی کو اس پر بے دھیانی میں ڈالا گیا اور پھر اس کے پلٹنے میں بھی نرمی نہیں برتی گئی لہٰذا اس کے ٹکڑے کونے کھدروں میں بکھر گئے ہیں اور وہ چنگیر میں اپنی جگہ تک نہ بنا سکی۔ مختصر یہ کہ اس کا پسنا، گندھنا اور توے پر جلنا سب لاحاصل رہا۔ زندگی کی جدوجہد میں وہ اپنی بے دھیانی کے سبب ہار گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اسے یہ احساس ہو جاتا کہ اس کے ساتھ ناروا سلوک کیا جا رہا ہے تو شاید پھر وہ اس جدوجہد میں شکست سے دوچار نہ ہوتی۔ ٹھنڈے توے سے لے کر چنگیر میں پہنچنے تک کے استعاراتی سفر کی تمام منزلیں بہت مہارت کے ساتھ احاطۂ تحریر میں لائی گئی ہیں۔ یہ نظم نسائی حسیت کا اظہاریہ ہوتے ہوئے بھی جبریہ استحصال کے خلاف نعرہ احتجاج بلند نہیں کرتی بس مضمحل، تھکے ہوئے ار نہایت بے چارگی و بے بسی کے عالم میں اپنی روداد بیان کرتے ہوئے محض ایک لفظ ''اِک بے دھیانی'' کی تاریکی میں پناہ تلاش کر لیتی ہیں۔ حمیدہ شاہین کی نظم میں عورت احتجاج کے بجائے اپنے پورے قد کے ساتھ کھڑے ہونے کی متمنی نظر آتی ہے۔ ان کی ایک اور نظم ''میں ایک بار سر اٹھانا چاہتی ہوں'' اس کی واضح مثال ہے۔ اس نظم میں لفظیات، اس کی تاثیر اور ایک مرتبہ سر اٹھانے کی تمنا ملتی ہے۔ وہ ایک بار سینے پر جُھکے ہوئے سر کے باوجود سر اٹھا کر دیکھنا چاہتی ہیں کہ اس کی گردن میں موٹی زنجیر ڈال کر منہ کے بل گھسیٹا جاتا ہے تو آخر اس زنجیر کے دوسرے سرے پر کون ہے۔ ڈاکٹر ستیہ پال آنند اپنے مضمون ''حرفِ چند'' میں حمیدہ شاہین کو ہمہ صفت شاعرہ قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''صرف من و تو کے دائرے کے اندر رہ کر ہی اپنی نظموں کی تخلیق نہیں کرتیں۔ اس مالہ و ماعلیہ کی جہات تعداد میں زیادہ نہیں اور شاعرہ اس کے اندر رہ کر بھی اور اس سے باہر آ کر بھی

اس کی گوناگوں شخصی،ازدواجی اور سماجی سچائیوں کو تلاش کرتی ہیں۔ایسے کرنے میں کہیں انجذاب سے یادرون بینی سے اور کہیں قیاس پر مبنی فکر فی نفسہ سے وہ اس امر کی تائید یا تردید چاہتی ہیں کہ من وتو کی بریکٹ میں جو ''تو'' ہے، کیا وہ بھول سے یا بے اعتنائی سے، عادتاً بے پروائی سے، یا ایک سوچی سمجھی ہوئی بے توجہی سے (یا مرد کی ذات ہی ایسی ہوتی ہے، کے بہ مصداق) اسے اکیلا چھوڑ گیا''۔(۲۱)

حمیدہ شاہین کی نظم ''ان ڈور پلانٹ'' میں استعارہ بے حد منفرد استعمال کیا گیا ہے۔کمرے کے اندر رکھے ہوئے گملے میں سجے ہوئے ایک نادر پودرے کو بھی دھوپ اور پانی کی ضرورت ہے اسے اس کی ضروریات پوری کرنے کے بجائے سجاوٹ کے طور پر اس لیے ڈرائنگ روم میں رکھ دیا جاتا ہے کہ وہ مہمانوں کی نگاہوں میں رہے، تو وہ کملا کر مر جائے گا۔ نظم کا آخری حصہ دیکھیے:

سنا ہے روشنی بھی لازمی عنصر ہے جینے کا
اندھیرے کا تسلسل زندگی کو چاٹ جاتا ہے
مجھے بھی زندہ رہنے کو ضیا درکار ہے سائیں
ہوا درکار ہے سائیں(۲۲)

اسی طرح ان کی ایک اور نظم ''آئینہ'' میں اس شخص سے براہ راست کلام کیا گیا ہے جو کبھی کسی کچھ اور تھا اور اب کچھ اور ہے یعنی بدل چکا ہے یا دھوکا دہی یا فریب کا مرتکب ہوا ہے۔اس شخص کی پیشانی پر ایک سانپ پھن پھیلائے بیٹھا ہے جس نے اس کی تقدیر کو ڈس کر نیلا کر دیا ہے۔اب اس شخص کے عارض پر جھوٹ کی سرخی سجتی ہی نہیں اور اس کے کذب وریا سے تمتماتے ہونٹوں کی سنگ باری سے عورت کی نازک بند خوشیاں اب تک لہو ہوتی رہیں۔حمیدہ شاہین آخر میں سنگِ ملامت کھینچ کر کچھ یوں مارتی دکھائی دیتی ہیں:

یہ خائن ہاتھ، جن کا لمس تم نے بیچ ڈالا ہے
برائے مہربانی ان سے چہرہ ڈھانپ لو اپنا
سنو۔۔۔۔جاتے ہوئے دروازۂ دل بند کر جانا(۲۳)

حمیدہ شاہین کے ہاں ان نظموں کے علاوہ '' یقین سے باہر بکھرا ہوا سچ''، '' مرا خواب سچ''، ''اعتبار ٹوٹا ہے''، ''ڈسپوزایبل'' جیسی بہت سی نظموں میں صرف من و تُو کی شاعری نہیں بلکہ متنوع سماجی رویوں کے ادراک سے اور گردو پیش کی معاشرت سے گہری آگاہی بھی ملتی ہے۔ جیسا کہ ان کی نظم ''ظلِّ سبحانی'' میں گراطنز اور استہزا حقارت کی حد تک جا پہنچتا ہے۔ اس نظم کو اپنے ملک پر آمریت کے سایے تلے درپیش مسائل جو سیاسی ،سماجی اور معاشرتی ہیں، کی بنیاد پر تخلیق کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان کی نظم ''اُلٹا چکر'' میں وجودی کرب کا اظہار ملتا ہے۔ اس نظم میں وجودی حوالے سے انفرادی کرب اور اس زندگانی کی رائیگانی کا احساس غالب ہے۔

کسے سنائیں
سفر ہے کیسا
پڑاؤ کرنے کی کیا سزا ہے
کسے دکھائیں
تھکن کی جھولی میں کیا پڑا ہے

انسان کی بے بسی، بیگانگی، اجنبیت اور تنہائی کی کیفیات و محسوسات کا اثر انگیز اظہار اسی نظم کے آخری ٹکڑے میں ملتا ہے:

ہمیں تو یہ بھی خبر نہیں ہے
ہماری گھڑی میں کیا بندھا ہے
جسے اٹھائے ہماری عمریں گزر گئی ہیں
دعا ہے کوئی
کہ بددعا ہے(۲۴)

حمیدہ شاہین کی نظم '' ربِّ ارنی''میں بھی اپنے عصر کے شعور اور جدید حسیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اقبالؔ، ن۔م۔ راشدؔ، مجید امجد اور دیگر شعرا کی طرح عصری حوالے سے ایک کرب، بے بسی و بے چینی اور ربّ ذوالجلال سے شکوے کا پہلو ملتا ہے۔ زمین کی گہرائیوں سے آسمان کی وسعتوں تک دھواں، سائے، گمان اور اوہام کا

ایک وسیع سلسلہ کا پھیلاؤ دکھائی دیتا ہے۔ہر سُو ایک مایوسی ،اور زرد رُو بے یقینی کا گہرا قبضہ ہے ایسے حالات میں شاعرہ کا شکوہ آمیز سوال ہوتا ہے کہ جو دنیا میرے واسطے سجائی گئی تھی وہ دنیا کہاں ہے؟

حمیدہ شاہین کی بہت سی نظموں میں اپنے عہد کے ماحول اور ملکی سیاست و معاشرتی مسائل کا عکس واضح دکھائی دیتا ہے۔جیسے ان کی نظمیں ''دیارِ سنگ''،''منصف کی کرسی خالی ہے''۔اسی طرح سماجی حوالے اور مسائل بھی ان کی نظموں ''تین سالہ بچی کا ریپ''،''مائیں بوڑھی ہونا بھول چکی ہیں''،''گلہ وفائے جفانما''اور دیگر میں ہوا ہے۔اس کے علاوہ ۸ اکتوبر ۲۰۰۵ء کے زلزلے کے حوالے سے ان کی تین نظمیں ''ٹراما''،''خیمہ محبت''اور ''گمشدہ صبح''نہایت اثر انگیز ہیں۔

حمیدہ شاہین کے تیسرے شعری مجموعے ''زندہ ہوں''میں ڈاکٹر ستیہ پال آنند،ڈاکٹر شمیم حنفی،آفتاب اقبال شمیم،کشور ناہید جیسے نامور نقادانِ فن کی پر تحسین آرا موجود ہیں۔ڈاکٹر سعادت سعید اس شعری مجموعے کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

> ''حمیدہ شاہین کے لیے ''زندہ ہوں'' کے الفاظ کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ انھوں نے کھلی آنکھوں اور تجزیاتی ذہن سے اپنے وجود سے متعلقہ جیتی جاگتی حقیقتوں کا سراغ لگا کر انھیں پر تاثیر انداز سے طویل و مختصر نظموں میں ڈھالا ہے۔اس مجموعے میں فارسی، عربی اور انگریزی زبانوں کے الفاظ کا استعمال معنوی گہرائیوں میں اضافے کا باعث ہے۔۔۔حمیدہ شاہین جیتی جاگتی حقیقت کو زندہ اور ٹھوس انداز میں سمجھ کر اس کے میسج کو غیر محسوس طور پر قاری کی نفسیات کا حصہ بنانے پر قادر ہیں۔ان کی نظموں میں معروضی حالات کو سمجھ کر انھیں بدلنے کی تمنا کا میسج موجود ہے''۔(۲۵)

حمیدہ شاہین عصرِ حاضر کی ایسی باشعور شاعرہ ہیں جن کی شاعری میں فنی پختگی،استعاراتی امیجز،اپنے گرد و پیش کے حالات و واقعات کا شعور،نسائیت کی دھیمی آنچ،حساسیت،وجودی کرب کی شدت اور محسوسات و جذبات کا نہایت عمدہ اور شستہ الفاظ میں واضح اظہار بہت متاثر کن ہے۔حمیدہ شاہین کی شاعری کا مطالعہ اس لیے بھی اہم ہے کہ وہ نسائی آنکھ سے اپنے ماحول اور گرد و پیش کی دنیا خواہ وہ قومی سطح پر ہو یا بین الاقوامی سطح پر، کو دیکھتی ہیں۔لہٰذا یہ امر

دنیا میں ایک خوش کن انقلاب پیدا کرنے میں معاون و مددگار ہو سکتا ہے۔ان کی ایک نظم ''یہاں اک پل بنانا ہے''اس کی واضح مثال ہے۔اس نظم میں حمیدہ شاہین کا کہنا ہے کہ ہمیں سفر جو پہلے ہی کٹھن ہے اس میں اپنا راستہ خود بنانا ہے،اس راستے کے دائیں بائیں خوش نما پھولوں کے تختے بھی لگانے ہیں اور درختوں کو گھنیری چھاؤں پر بھی مامور کرنا ہے۔ہمیں علم تھا کہ ہماری انگلیوں سے پھوٹتی محبت کی کرنوں میں سحر نے سانسیں لینی ہیں اور اک سنہرا دن نمودار ہوگا مگر ہم نے اُس راہ کا نازک موڑ نظر انداز کر ڈالا:

یہ ایسا موڑ تھا
جِس کو نظر انداز کر کے ہم نے اپنی راہ کھوٹی کی
یہ غفلت ایک کھائی بن کے اب رستے میں آئی ہے
یہاں اِک پُل بنانا ہے
اسے اِک دُوسرے کا ہاتھ پکڑے پار کرنا ہے[۲۶]

حوالہ جات

۱۔ وزیر آغا،ڈاکٹر،''حمیدہ شاہین کی نظمیں''،مشمولہ؛برگِ تازہ حمیدہ شاہین کے شعری موسم،مرتب،ڈاکٹر ذکائی قارداش،لاہور:پیس پبلی کیشنز،۲۰۱۸ء،ص:۱۵

۲۔ شمیم حنفی،ڈاکٹر،''تخلیقی امکانات کا جال''،مشمولہ؛ برگِ تازہ حمیدہ شاہین کے شعری موسم ،ایضاً،۔۔۔ص:۱۸

۳۔ آفتاب اقبال شمیم،''معنی کی بازیافت کا خواب''،مشمولہ؛برگِ تازہ حمیدہ شاہین کے شعری موسم۔ایضاً،۔۔۔ص:۲۰

۴۔ انجم رومانی،''فلیپ''،مشمولہ؛دستک از حمیدہ شاہین،لاہور:روش پبلی کیشنز،اشاعت،۲۰۰۵ء

۵۔ حمیدہ شاہین،دستک،لاہور:روش پبلی کیشنز،۲۰۰۵ء،ص،۵۳۔

۶۔ نجیبہ عارف،ڈاکٹر،''حمیدہ شاہین کی شاعری،دستک سے دشتِ وجود تک''،مشمولہ؛برگِ تازہ حمیدہ شاہین کے شعری موسم

،ایضاً،۔۔۔ص:۱۰۹

۷۔ حمیدہ شاہین، دستک، ایضاً،۔۔۔۔ص:۱۱۴

۸۔ حمیدہ شاہین، دستک، ایضاً،۔۔۔۔ص:۴۰

۹۔ حمیدہ شاہین، دستک، ایضاً،۔۔۔۔ص:۲۱۔۲۲

۱۰۔ حمیدہ شاہین، دشتِ وجود، لاہور: ملٹی میڈیا افئیرز، س،ن، ص:۴۱۔۴۲

۱۱۔ ناصر عباس نیر، ڈاکٹر، دیباچہ، دشتِ وجود، ایضاً،۔۔۔۔ص:۱۸

۱۲۔ حمیدہ شاہین، دشتِ وجود، ایضاً،۔۔۔۔ص:۳۵

۱۳۔ حمیدہ شاہین، دشتِ وجود، ایضاً،۔۔۔۔ص:۳۹۔۴۰

۱۴۔ شہزاد احمد، ''حمیدہ شاہین کی شاعری''، مشمولہ؛ برگِ تازہ حمیدہ شاہین کے شعری موسم ، ایضاً،۔۔۔۔ص:۳۹

۱۵۔ حمیدہ شاہین، دشتِ وجود، ایضاً،۔۔۔۔ص:۵۳۔۵۴

۱۶۔ حمیدہ شاہین، دشتِ وجود، ایضاً،۔۔۔۔ص:۱۱۳

۱۷۔ حمیدہ شاہین، دشتِ وجود، ایضاً،۔۔۔۔ص:۶۳

۱۸۔ حمیدہ شاہین، مطالعہ، لاہور: پیس پبلی کیشنز، ۲۰۲۱ء، ص:۱۶

۱۹۔ حمیدہ شاہین، زندہ ہوں، لاہور: ملٹی میڈیا افئیرز، ۲۰۱۰ء، ص:۲۷

۲۰۔ حمیدہ شاہین، زندہ ہوں،۔۔۔ایضاً،۔۔۔۔ص:۱۳۳

۲۱۔ ستیہ پال آنند، ڈاکٹر، ''حرفے چند''، مشمولہ؛ برگِ تازہ حمیدہ شاہین کے شعری موسم، ایضاً،۔۔۔۔ص:۳۳

۲۲۔ حمیدہ شاہین، زندہ ہوں، ایضاً،۔۔۔۔۔ص:۱۵۶

۲۳۔ حمیدہ شاہین، زندہ ہوں، ایضاً،۔۔۔۔۔ص:۱۴۵

۲۴۔ حمیدہ شاہین، زندہ ہوں، ایضاً،۔۔۔۔۔ص:۳۰

۲۵۔ سعادت سعید، ڈاکٹر، ''حمیدہ شاہین کی شعری بصیرت''، مشمولہ؛ برگِ تازہ حمیدہ شاہین کے شعری موسم، ایضاً،۔۔۔ص:۶۶

۲۶۔ حمیدہ شاہین، زندہ ہوں، ایضاً،۔۔۔۔۔ص:۷۰